مسیح الملک حکیم اجمل خاں

حسن بیگ

حکیم محمد اجمل خاں ایک عملی انسان تھے۔ اُن کے میدان عمل، طب، تعلیم، سیاست، طبی ہو یا عوامی، تحقیق، ادب و شاعری، زباں دانی اور صحافت تک ہی محدود نہ تھے، بلکہ وہ حافظ قران، خطاط، ایک عظیم انسان، نرم لہجہ، کم گفتگو، گہری نظر، مریضوں سے ہمدردی، دوسروں کی غلطیوں سے چشم پوشی اور اُن کو معاف کر دینا، اشارے دیکھ کر دور کی کوڑی لانا، مذہبی رواداری، ہندو مسلم اتحاد کے داعی اور مشکل فیصلے کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ انسانوں کے دکھ درد میں شرکت کے علاوہ نہ صرف علاج معالجہ بلکہ اُن کی مالی معاونت اِس اصول کے تحت کہ جو سیدھے ہاتھ سے دو تو الٹے ہاتھ کو خبر نہ ہو۔

بیسویں صدی کے پہلی چوتھائی میں ان کی سیاست کا ڈنکہ پورے ہندوستان پر حاوی تھا۔ ۳۰ مارچ ۱۹۱۹ء کو دلّی میں جو ہنگامہ ترک موالات کے سلسلے میں ہوا اُس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کمشنر نے اُن کو دلّی میونسپل کارپوریشن، چاندنی چوک میں بلایا، وہاں یہ خبر اڑ گئی کہ حکیم صاحب کو گرفتار کر لیا گیا ہے، اُس وقت جو ہوا اس کے ایک چشم دید گواہ علامہ اخلاق حسین دہلوی ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

'میں نعمانیہ پرائمری اسکول میں پڑھتا تھا، جو بلیماران میں حکیم محمد اجمل خاں کے مکان کے قریب ہی تھا۔ دوپہر کو چھٹی ہوئی، مدرسے سے باہر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بازار آدمیوں سے بھرا پڑا ہے، بڑی مشکل سے چند قدم چلے، دم گھٹنے لگا تو مسجد حکیم شریف خاں میں چڑھ گئے اور وہاں سے یہ منظر دیکھتے رہے کہ ہر کوئی جس حلیے میں ہے دوڑا چلا آرہا ہے، خالی ہاتھ کوئی بھی نہیں، لکڑی، لاٹھی، بانس، پلنگ کا پایہ، سیر وا، پٹی، ادھ جلی چولہے کی لکڑی لیے 'چھوڑو، چھوڑو' کا نعرہ لگاتا بھیڑ میں گھسا چلا جاتا ہے۔ مسجد میں کچھ اور اشخاص بھی آ گئے تھے اُن کی باتوں سے پتہ چلا کہ علی الصبح دلّی کے انگریز چیف کمشنر نے حکیم صاحب کو دلّی کے ٹاؤن ہال میں بلایا اور وہ ابھی تک واپس نہیں آئے۔ شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ حکیم صاحب کو بھی گرفتار کر لیا ہے، اِس خبر وحشت اثر سے سارا شہر امنڈ پڑا ہے، کمپنی باغ کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ چاندنی چوک میں تِل دھرنے کو جگہ نہیں ہے، چاندنی چوک کو آنے والے سارے راستے آدمیوں کی بھیڑ سے بند پڑے ہیں، پولیس روک تھام کر رہی ہے، مگر کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ آخر کار جب حکیم صاحب آتے نظر آئے تو اِن متوالوں کی جان میں جان آئی اور بھیڑ چھٹنے لگی، جب بھیڑ چھٹ گئی تو ہم بھی کوئی دو گھنٹے بعد مسجد سے اترے اور گھر گئے۔ رہنمایان قوم کی گرفتاریاں تو عمل میں آتی رہتی تھیں، لیکن یہ منظر کبھی دیکھنے میں آیا نہ سننے میں، یہ کیا تھا؟ یہ تھا در اصل حکیم محمد اجمل خان کی فطری مخلصانہ ہمدردی کا ثمرہ جو اُن کی خلقت میں مرکوز تھی، جو آج بھی مرکوز ہے' (۱)۔

حکیم صاحب کا تقرر ریاست رامپور میں بطور معالج ۱۸۹۲ء (۲) میں ہو گیا تھا۔ اُس وقت اُن کی عمر ۲۴ سال تھی۔ انہوں نے نو سال تک

---

۱) علامہ اخلاق حسین دہلوی، حکیم اجمل خان (دلّی والے، ادارت صلاح الدین)، اردو اکادمی ۱۹۸۶ء، ص ۴۳۔

۲) اُن کا تقرر بطور 'زبدۃ الاطباء، عمدۃ الامراء، معالج خاص و مصاحب اختصاص' ہوا تھا۔ حکیم محمد نجم الغنی، اخبار الصنادید، حصہ دوم، رامپور ۱۹۹۷ء، ص ۵۶۔

وہاں خدمات انجام دیں۔ یہ نو سال کا عرصہ اجمل خاں کے علمی، ذہنی، تحقیقی اور سیاسی زندگی کے ارتقا کا زمانہ تھا۔ نواب رامپور حامد علی خاں کی عمر اُس وقت سترہ سال تھی، عمروں میں زیادہ فرق نہیں تھا، اس کے ساتھ شوق بھی ایک طرح کے تھے(۳) اِس لیے دوستی قائم ہو گئی جو حکیم صاحب کی آخری عمر تک جاری رہی۔ نواب صاحب شام چار بجے سو کر اٹھتے تھے، اِس لیے حکیم صاحب کو کافی وقت اپنے لیے مل جاتا تھا، جس کا آپ نے بہت عمدہ فائدہ اٹھایا۔ اپنی عربی کی تعلیم کو علامہ محمد طیب مکی (۴) کی شاگردی میں اس قدر جِلا دی کہ آپ عربی زبان میں بلا تکلف گفتگو کر سکتے تھے، علامہ نے استاد ہوتے ہوئے بھی حکیم صاحب کو خراج تحسین پیش کیا اور اُن کے علم و فن کی خوب تعریف کی ہے(۵)۔ رامپور کے کتب خانے سے آپ کا تعلق ۱۸۹۶ء میں ہوا، جہاں مشرقی علوم کا ایک خزانہ تھا، کتب بینی سے ویسے ہی آپ کو رغبت تھی (۶) وہ آپ کے لیے کتابوں کا ذخیرہ ثابت ہوئی۔ یہاں آپ نے کتب خانے میں اصلاحات کیں(۷) یہاں ہی آپ نے اپنے طبی تحقیقی مضامین شایع کیے اور یہاں سے ہی آپ نے عربی کتب کی ایک فہرست ۱۹۰۲ء میں شائع کی جو اس سے پہلے موجود نہیں تھی۔ یہ شاید آپ کی عربی زبان کی دسترس ہی تھی کہ آپ عبرانی زبان سے بھی واقف تھے(۷ الف)۔

رامپور کے نواب ہمیشہ سے انگریز حکومت کے خیر خواہ رہے ہیں، غالب نے دستنبوہ میں لکھا ہے کہ نواب یوسف علی خاں کا انگریز حکومت کے ساتھ رشتہ دوستی اتنا مضبوط ہے کہ ہزار برس میں بھی کسی طریق اُس کو توڑا نہیں جا سکتا(۸) اُن کی یہ دوستی نواب حامد علی خاں کے دور تک قائم تھی، اِس سے حکیم صاحب کو یہ فائدہ ہوا کہ حکیم صاحب کے دوران قیام رام پور میں مختلف والیان ریاست، سفیر اور انگریز حکمراں، جو بھی وہاں آئے ان سے ملاقاتیں رہیں اور تعلقات قائم ہوئے، خاص طور پر سر سید میموریل سوسائٹی کا وفد ۲۸ جولائی ۱۸۹۹ء کو آیا جس میں علی گڑھ کے لیڈران مع محسن الملک شامل تھے(۹)۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس اسی دوران یہاں ہوا(۱۰)۔

---

۳) نواب صاحب کو کتابوں سے عشق تھا، تاریخ کی کتابیں ہر وقت ساتھ رہتی تھیں، تقریباً ایک لاکھ شعر اُن کو زبانی یاد تھے، قوت حافظہ بہت مضبوت تھی، انسان کی صورت دیکھ کر اُس کے مدعا سے مطلع ہو جاتے تھے۔ احمد علی خاں شوق، تاریخ کتب خانہ رضا، رضا رامپور لائبریری، ۲۰۰۹ء، ص ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۳۵۔

۴) قاضی محمد عبد الغفار، سوانح حکیم اجمل خاں، تخلیقات، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۲۹۔

۵) ایک کتاب میں حکیم صاحب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ' اس کتاب کا سبب تالیف اور اُس کا محرک میرے مخدوم اور استاد کے حکم کی تعمیل ہے، جن کی ذات گرامی میں قیس بن عاصم کا وقار، احنف کی بردباری، ایاس کی ذہانت، علیؓ کی جواں مردی، خالدؓ کی بہادری، ابن عباسؓ کا فہم، سلامتی قلب کے ساتھ ازوالرکب کی سخاوت، جالینوس کی طب اور اپنے والد اور اجداد کی حذاقت جمع ہے'۔ محمد رضی الدین، حکیم اجمل خاں کی علمی خدمات، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۲۰۰۴ء ص ۲۴۔

۶) حکیم رشید احمد خاں، حیات اجمل، عالمی اردو مرکز، دلّی۔ ۲۰۰۲ء، ص ۳۲۔

۷) آپ نے نایاب کتب مختلف کتب خانوں اور کتب فروشوں سے منگا کر جمع کیں، کئی کتب ایک جلد میں تھیں، اُن کو الگ الگ کیا گیا، ہر کتاب کے مصنف اور تاریخ کتب کی تفصیل لکھی گئی، تاریخ کتب خانہ رضا، حاشیہ ۳، ص ۱۳، ۱۲۔

۷ الف) امداد صابری لکھتے ہیں کہ مولانا شرف الدین، جو ہندوستان میں انگریز پادریوں سے مناظرے کرنے میں مشہور تھے، نے عبرانی زبان حکیم عبد المجید خاں کے

رامپور میں رہتے ہوئے ہی آپ نے اپنا رسالہ طاعون اپنی ملکی اور مادری زبان میں لکھ کر ۱۸۹۷ء میں شائع کیا۔ اس رسالے کی طرز تحریر حکماء کی عام عربی رسالوں کی طرز سے مختلف تھی، جس کی طرح آپ نے ڈالی، مثلاً اس میں عربی خطبہ نہیں ہے، تاریخ مرض کی بحث ہے، حفظ ماتقدم اور علاج کی بحیثیں ہیں، روایتی مقدمہ، ابواب، فصول اور خاتمہ نہیں ہے، انہوں نے طاعون کو ستاروں کے اثر سے الگ کیا۔ طاعون میں غربت اور جسمانی کمزوریوں کی اہمیت کی طرف نشاندھی کی ہے اور عام یونانی طرز مزاج کو بھی اہمیت نہیں دی۔ اِس کو عام پڑھے لکھے حضرات کے لیے ترتیب دیا گیا ہے (۱۱)۔

دوران رامپور ہی آپ نے اپنے سات تحقیقی مقالات عربی زبان میں ترتیب دیئے، جن کی تفصیل آپ اس کتاب میں دیکھیں گے۔ طبی لغات میں پائے جانے والی بکثرت اغلاط کی طرف بھی آپ کی نظر تھی اور آپ ایک طبی لغت ترتیب دینا چاہتے تھے، لیکن اُس کا صرف مقدمہ شائع ہو سکا۔ اِس مقدمے میں اُن اصولوں کی وضاحت کی ہے جو اُن کے پیش نظر تھے، طبّی الفاظ کس طرح طبّی زبان میں داخل ہوتے ہیں، تعریب کا عمل کیا ہے، الفاظ کے معنٰی کس طرح طبّی اصطلاح میں بدل جاتے ہیں۔ ایک مقبول طبّی لغت بحر الجواہر کی غلطیوں کی نشاندہی کی اور اس طرف اشارہ کیا کہ ایک نئی طبّی لغت کی ضرورت ہے (۱۲)۔

اپنے بڑے بھائی حکیم عبد المجید کے انتقال (۱۹۰۱ء) کے بعد حکیم اجمل خاں اپنی ذمہ داریاں سنبھالنے دلّی واپس آ گئے۔ لیکن چند ہی سال بعد منجھلے بھائی حکیم واصل خاں بھی پینتالیس سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے (۱۹۰۵ء)، جس سے بے تحاشہ ذمہ داریاں بڑھ

ایک یہودی مریض سے سیکھی تھی، اِس یہودی عالم نے مولانا شرف الدین کو ایک سند عبرانی میں لکھ کر دی، جس کے نیچے اُس کا اردو ترجمہ حکیم اجمل خاں کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، اُس کے بھی نیچے عبرانی میں یہودی عالم کے دستخط ہیں، یہ اندازاً ۱۸۹۷ء کے لگ بھگ کی بات ہے: دلّی کی یادگار ہستیاں، جمال پرنٹنگ، دہلی، ۱۹۷۲، ص ۲۶۳۔

۸) سید معین الرحمٰن، غالب اور انقلاب ستاون، غالب انسٹیٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۸۸ء، ص ۱۱۲۔

۹) اخبار الصنادید میں جن مہمانوں کی فہرست دی ہوئی ہے اُن میں مہاراجے، دھولپور، پٹیالہ، سیدوان، ٹیکم گڑھ، رائے بریلی، کھیتڑی، کپور تھلہ، اور نوابان ٹونک، لوہارو، کونسل جنرل ایران، کمشنر روہیل کھنڈھ، پولیٹیکل ایجنٹ بیکانیر، لیفٹینینٹ گورنر لکھنو شامل ہیں،، اخبار الصنادید، حاشیہ ۲، ص ۳۸۷ تا ۳۹۲۔

۔ نواب محسن الملک ۱۸۹۶ء میں بھی نواب صاحب رامپور کی دعوت پر رامپور آئے تھے۔ ایک دن مسلسل پانچ گھنٹے تک قومی ضروریات و مسائل پر گفتگو رہی۔ محمد امین زبیری، حیات محسن، مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ، ۱۹۳۴ ص ۴۷۔

۱۰) محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سر سید نے ۱۸۸۶ء میں قائم کی تھی۔ ان کا کہنا تھا، مسلمان ہند دور دراز حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کی حالتوں سے بے خبر ہیں۔ وہ باوجود ایک قوم ہونے کے بمنزلہ مختلف قوموں کے ہو رہے ہیں۔ اس کا پہلا اجلاس ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ء علی گڑھ میں ہوا۔ اس کے مقاصد میں مغربی تعلیم کو مسلمانوں میں رائج کرنا، مذہبی اور مشرقی تعلیم کو بہتر کرنا اور دیسی مکتبوں کی تنزلی کو دور کرنا تھا۔ الطاف حسین حالی، حیات جاوید، اکادمی پنجاب، لاہور ۱۹۵۷، ص، ۳۰۲

۔ دہلی میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا دسواں اجلاس ۱۸۹۲ء میں ہوا تھا جس میں تعلیمی مردم شماری کی اہم تجویز پاس ہوئی تھی کہ یہ معلوم کیا جائے کہ مسلمان اپنی اولاد کو انگریزی تعلیم کیوں نہیں دلواتے اور اِس پر ان کو متوجہ کیا جائے، ایضاً، حیات جاوید، ص ۳۰۷۔

۔ رامپور کا اجلاس چودھواں تھا ۲۷ دسمبر تا ۳۰ دسمبر ۱۹۰۰ء رامپور میں بہت شاندار طریقے پر ہوا، ایضاً حاشیہ ۹، ص ۴۴۶۔

۱۱) GUY ATTEWELL, REFIGURING UNANI TIBB, ORIENTLONGMAN, HYDERABAD, 2007, P.57

گئیں۔ یہ دور مدرسہ طبیہ کی دیکھ بھال، طبّی تعلیم کی اصلاحات، نصاب تعلیم کی طرف توجہ اور اُس میں تبدیلیاں، منطقی اور فلسفی دلائل کو طبّی تعلیم سے علاحدہ کرنا، ہندوستان اور یوروپ کے ماہرین کی تحقیقات کو طبّی درس میں شامل کرنا، جدید تحقیقات جیسے قارورہ کا کیمیاوی تجزیہ، تھرمامیٹر کا استعمال اور دوسرے آلات تشخیص کی مدد حاصل کرنا اور طبّی تعلیم کے لیے اردو زبان کا استعمال، جدید علوم کی کتب کا اردو ترجمہ اور زنانہ طبیہ مدرسہ اور طبیہ کالج کا استحکام اور اُس کے لیے عطیات جمع کرنا شامل ہیں۔

۱۹۱۰ء میں بمبئ میڈیکل ایسوسی ایشن نے میڈیکل رجسٹریشن کی سفارش کی جس کی ضرب طب پر پڑتی تھی، اس سے عام طبیب ناواقف تھے لیکن حکیم اجمل خاں اِس کو بھانپ گئے۔ حکیم صاحب نے اِس کے خلاف عظیم محاذ قائم کیا۔ یہ ایک ایسی تحریک تھی جس نے طب کو فنا ہونے سے بچالیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے ہند کے عوام، لیڈران کرام کو اپنے ساتھ شامل کرکے پورے ہندوستان کے دورے کیے، عوامی آوازیں، صوبائی اور مرکزی لیجسلیٹو کونسلوں میں سوالات اٹھائے گیے۔ اِس جنگ میں سب سے دور کی کوڑی لکھنوٴ کے حکماء اور ہندوستان کے وید صاحبان کو اپنے ساتھ ملانا تھا۔ اس ویدک جتھہ کو ساتھ لیکر چلنے کی ہی وجہ سے ایورویدک مہامنڈل نے ۱۹۱۳ء میں حکیم صاحب کو تمغے سے نوازہ(۱۳)۔ یونانی اور ویدک کے متعلق یہ اشعار جو حکیم محمد کریم انصاری نے چوتھی یونانی اور ایورویدک کانفرنس منعقدہ امرتسر ۱۹۱۴ء میں پڑھے وہ حکیم صاحب کے نقطہ نظر کے صحیح ترجمان ہیں(۱۴):

ہو یونانی کہ ویدک اُس کا ملک میں آشیاں ہے
مثاوی جملہ انسانوں پہ اِن دونوں کا احساں ہے
یہ دو بہنیں ہیں دونوں نے پیا دودھ ایک پستاں سے
یہ دو پودے ہیں جو پیدا ہوئے صرف ایک گلستاں سے

طبیہ کالج کو قائم کرنے کے لیے حکیم صاحب نے چھ سال انتہائی محنت کی، ملک سے باہر طب کی ترقی کو دیکھ حکیموں اور ویدوں کو ایک جگہ مجتمع کیا، کالج کی ذرائع آمدنی کے لیے ہندوستانی دواخانہ قائم کیا، اُس کو اپنے خاندانی مجربات فراہم کیے اور ایک مستقل ذریعہ آمدنی فراہم کرکے ایک اعلٰی کالج قایم کیا اور طب کو ایک نئی زندگی فراہم کی(۱۵)۔

حکیم صاحب کو سیاست میں داخل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن یہ انہوں نے مسلم قوم کے حالات کو دیکھ کر، اپنی سمجھ اور اخلاقی ذمہ داری کے تحت کیا۔ اُس وقت مسلمانوں کے کیا حالات تھے اُس پر ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد جو تبدیلیاں

---

۱۲) حکیم اجمل کی علمی خدمات، حاشیہ ۵، ص ۸۴۔

۱۳) حاشیہ ۱۱، ص ۱۶۴۔

۱۴) حاشیہ ۱۱، ص ۱۴۷۔

۱۵)ZAFAR AHMAD NIZAMI, HAKIM AJMAL KHAN ,MINISTRY OF INFORMATION, GOVT OF INDIA, NEWDELHI1988,p.32.

جو تبدیلیاں انگریز لائے اُس میں ہندی زبان کو بڑھانا، اردو کی حیثیت کم کرنا، انگریزی زبان کو آہستہ آہستہ رائج کرنا، فارسی اور عربی کو ختم کرنا تھا جس کی وجہ سے مسلمان تعلیم سے دور ہوتے گئے، اس کے مقابلے میں ہندوؤں نے عام طور پر اور بنگالیوں نے خاص طور پر انگریزی تعلیم کو اپنایا، جوق در جوق اس میں شامل ہوئے۔ چارلس ہارڈنگ ویسرائے (۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۶ء) نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے (۱۶) کہ ہندوؤں کو تعلیم کا اس قدر شوق تھا اور انگریزوں کی نوکری کے لیے وہ اتنے بیچین رہتے تھے کہ مقامی اخبارات میں اپنے آپ کو نوکریوں کے لیے پیش کرتے تھے، حالانکہ اُن کی تعلیم بھی مکمل نہ ہوتی تھی اور 'بی اے فیل' کو بطور ایک تعلیمی سند کے استعمال کرتے تھے۔ شمالی ہندوستان کی مرکزی حیثیت ختم ہو کر سب کام کلکتہ سے کیے جارہے تھے، کیونکہ انگریز مسلمانوں کو بغاوت کا اصل محرک مانتے تھے اس لیے مسلمان تعلیم، تقرر اور انعامات وعنایات میں بہت پیچھے تھے۔ چھ کروڑ بیس لاکھ مسلمانوں میں سے بہت کم نے سیاست میں حصہ لیا تھا۔ بغاوت کے دنوں میں حکیم صاحب کے اپنے والد اور خاندان کے دوسرے لوگوں کو قید و بند کی صعوبتیں اٹھانی پڑی تھیں (۱۷)۔ اس مسلم زوال کی وجہ سے مسلمان کم سے کم ایک نسل تک پیچھے رہ گئے تھے (۱۸)۔ حکیم صاحب کو ظاہر ہے اِن سب حالات سے واقفیت تھی اس لیے وہ اِس فرق کو مٹانے کے لیے مسلمانوں کے لیے خصوصی مراعات کے حامی تھے۔ رامپور میں ان کے تعلقات محسن الملک سے قائم ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کا ایک نمائندہ وفد جب ویسرائے جون گلبرٹ منٹو سے ملنے ۱۹۰۶ء میں شملہ گیا اُس میں حکیم صاحب شامل تھے (۱۹)۔ دلّی سے وہ ہی اکیلے اس وفد کے نمائندے تھے۔ اِس وفد کے نتیجے میں ہی مسلمانوں کو جداگانہ

---

۱۶) LORD HARDING OF PENHURST, MY INDIAN YEARS, JOHN MURRAY, LONDON, 1948, P23

۱۷) غالب نے دستنبوہ میں لکھا ہے کہ '۲ فروری ۱۸۵۸ء کو حاکم شہر کچھ سپاہیوں کے ساتھ آیا اور مکان کے مالکوں (حکیم محمود خاں اور رشتے داروں) اور دوسرے نیک دل پناہ گزینوں کے ساتھ اپنے ہمراہ لے گیا اور کئی دن حوالات میں رکھا، ۵ فروری کو ان کو واپسی کی اجازت ملی'، حاشیہ ۸، ص ۱۳۴۔

۱۸) یہ اصل میں ایک انگریز کی تھڑدلی تشخیص ہے، اصل میں تقریباً ۷۵ سال کا فرق ہے، سی ایف انڈریوز، مولوی ذکاءاللہ دہلوی، (ترجمہ ضیاءالدین برنی) تعلیمی مرکز کراچی، ۱۹۵۲، ص ۱۷۲۔

(میکالے کی یادداشت جس میں انگریزی تعلیم کی سفارش کی گئی تھی ۱۸۳۵ء میں لاگو کی گئی تھی)

۱۹) اس وفد میں کل ۳۵ راہنما شامل تھے جس میں حکیم صاحب ۲۳ نمبر پر موجود ہیں،

AnsarZahidKhan(Ed),JournalofPakistanHistoricalSociety,July-Decmber,2007,p37

۔ نواب محسن الملک نے علی گڑھ کالج کے پرنسپل آرچی بولڈ، جو اِس وقت شملہ میں تھے، کہ ذریعے یہ طے کر لیا تھا کہ ویسرائے مسلمانوں کے وفد سے ملاقات کریں گے، (محمد اکرام خاں، وقارِ حیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ، ۱۹۲۵، ص ۶۷۰)۔

۔ نواب محسن الملک نے ملک کے تمام معزز مسلمانوں اور اسلامی انجمنوں سے اِس کی اجازت طلب کی، ۲۰ اگست سے دستختوں کے لیے چھپے ہوئے فارم تقسیم کیے، صرف چودہ روز کے اندر ہر صوبے سے گیارہ سو تراسی معزز اور تعلیم یافتہ اشخاص کے جو ہر طبقے سے تعلق رکھتے تھے دستخط آ گئے (ایضاً حاشیہ ۹، ص ۱۸۰۔۱۸۱)۔

انتخابات حاصل ہوئے(۲۰)۔ تقریباً دو مہینے بعد ڈھاکہ میں محمڈن ایجو کیشنل کمیٹی کی کانفرنس کے بعد مسلم لیگ کا وجود ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو قیام میں آیا۔ اِس کی تجویز نواب سلیم اللہ خاں، ڈھاکہ نے پیش کی۔ اِس کی حمایت سب سے پہلے حکیم اجمل خاں نے کی۔ انہوں نے کہا کہ نواب صاحب نے جو تجویز پیش کی ہے میں اُس میں کوئی اضافہ نہیں کرنا چاہتا، وہ صاف و شفاف ہے، میں اُس کی تائید کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ افراد مجلس اس پر اپنے خیالات کا اظہار کریں گے(۲۱)۔

دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ۱۸۰۳ء میں ہو گیا تھا، پھر بھی اس کے بعد ۱۹۱۱ء تک دلّی سماجی اور معاشرتی طور پر ایک مغل شہر تھا۔ دلّی اور اطراف کے لوگ اپنے ادب، صحافت، شاعری، اپنی زبان، یونانی طب، انسانی اصلاحات کو پسند کرتے تھے، سیاسی طور پر سب کام کلکتہ سے ہوتے تھے، دلی سیاسی معاملات میں دور افتادہ جگہ تھی(۲۲)۔ وہ تعلیم و تربیت بھی اردو اور مقامی دستور کے مطابق چاہتے تھے۔ مولوی نذیر احمد نے لکھا ہے کہ ان کے والد کہا کرتے تھے کہ انگریزی تعلیم حاصل کرنے سے بہتر ہے کہ وہ مر جائیں(۲۳)۔ الطاف حسین حالی بھی کہتے ہیں علم عربی اور فارسی زبان کا سمجھا جاتا تھا، بھول کر بھی انگریزی کا خیال نہ گزرتا تھا(۲۴) دہلی اور نواح دہلی میں علی گڑھ اور دیوبند کو زیادہ مقبولیت حاصل نہیں تھی(۲۵)۔ لیکن یہ سب ماحول ۱۹۱۱ء کے بعد تبدیل ہونا شروع ہو گیا تھا، کیونکہ اس سال کئی تاریخی واقعات ہوئے، بین الاقوامی طور پر اٹلی کا طرابلس پر حملہ، بادشاہ ایڈورڈ پنجم کا دربار، تقسیم بنگال کا خاتمہ اور دارالحکومت کلکتہ سے اٹھ کر دلّی آ گیا،

---

۲۰) جون بخن نے منٹو کی سوانح میں لکھا ہے کہ اُس وقت تک مسلمانوں کی انگریز راج سے وفاداری تھی، جس پر انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی، (جون گلبرٹ) منٹو اور سیکریٹری اوف اسٹیٹ مورلے مسلمانوں کو پسند کرتے تھے، اس لیے اس وفد کو بلایا گیا، ان کی درخواستوں کے جواب میں منٹو نے ایک دانا تقریر کی اور وعدہ کیا کہ اُن کی نمائندگی نہ صرف اُن کے عددی لحاظ سے، بلکہ اُن کی سیاسی اہمیت کے تحت، جو انہوں نے ملک کے دفاع میں کی ہے، اس لیے مسلمانوں کے نمائندے مسلمان ہی چنیں گے۔ JOHN BUCHAN, LORD MINTO, A MEMOIR, THE ECHO LIBRARY,2006,P163

۔ انگریزی اخبار دی ٹائمز، لندن نے اپنے ۲ اکتوبر ۱۹۰۶ء کی اشاعت میں اس وفد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ مسلمان بیس برس سے خاموش ہیں، انہوں نے مذہبی منافرت یا سیاسی جذبات برطانوی حکومت کے خلاف ظاہر نہیں کیے جس طرح بنگال کے ہندو شورش کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ ہندوستان میں پارٹیاں مذہب اور نسلی بنیاد پر قائم کی جاتی ہیں اس لیے جو نسل زیادہ ہو گی وہ فاتح ہو گی۔

۔ آغا خاں ۱۹۰۲ء سے ویسرائے کی لیجسلیٹو کونسل کے ممبر تھے، انہوں نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ کانگریس ہی اُس وقت اکیلی نمائندہ سیاسی جماعت تھی، لیکن اس میں ہندو انتہا پسند اس قدر طاقت ور تھے کہ وہ کسی کی چلنے نہیں دیتے تھے، کانگریس کی طرف سے جو مسلمان ممبر لیجسلیٹو کونسل میں آتے تھے وہ مدراس یا بمبئی کے ہاں میں ہاں ملانے والے ہوتے تھے، اس طرح کانگریس مسلمانوں کی نمائندگی میں ناکام ہو گئی تھی،

THE MAMOIRS OF AGA KHAN ,CASSELL AND COMPANY, LONDON,1954,P,75-76

۲۱) ایضاً حاشیہ ۱۹، ص ۵۸۔

22)NARAYANI GUPTA, DELHI BETWEEN TWO EMPIRES, OXFORD, DELHI,1981,P,125

اٹھ کر دلّی آ گیا، جس کی وجہ سے دلّی میں سیاسی گہما گہمی شروع ہوئی(۲۶)۔ حکیم صاحب کو بھی زیادہ مواقع تھے حکام تک رسائی کے، حکیم صاحب جب بھی بلاوہ آتا جاتے تو تھے، سی ایف انڈریوز کا کہنا ہے کہ اُس زمانے میں ہر شریف آدمی کا جانا ضروری ہوا کرتا تھا، کیونکہ نہ جانا خفّت کا باعث سمجھا جاتا تھا لیکن حکیم صاحب محفل کے ایک کونے میں الگ تھلگ رہتے تھے اور مجھے ان سے بات چیت کا زیادہ موقعہ مل جاتا تھا(۲۷)۔ دربار کے بعد ۱۹۱۳ء میں ویسرائے چارلس ہارڈنگ دلّی آئے ریلوے اسٹیشن سے کمپنی باغ(۲۸) ہوتے ہوئے چاندنی چوک پر دریبے اور کوتوالی کے درمیان، ان پر بم پھینکا گیا(۲۹)، جس سے ان کی جان تو بچ گئی لیکن عرصے تک وہ صاحب فراش رہے۔ اسی سال محمد علی، جو ابھی مولانا نہیں ہوئے تھے، اپنے اخبار ہمدرد اور کامریڈ کلکتہ سے دلّی لے آئے اور اسی سال ڈاکٹر انصاری (۳۰) برطانیہ سے واپس آ کر دلّی، میں ساکن ہوئے اور حکیم صاحب اور ڈاکٹر انصاری کے تعلقات اور دوستی یہاں تک بڑھی کہ دونوں نے مستقبل کے ہر سیاسی محاذ پر ایک دوسرے کا ساتھ دیا، وہ ترکی میڈیکل مشن ہو، ترک موالات، خلافت یا کوئی اور تحریک دونوں کا موقف ایک ہی ہوتا تھا اور دونوں دلّی سے سیاسی محاذوں کو چلایا کرتے تھے۔ جب کانگریس میں کونسلوں میں داخلے کی وجہ سے تفریق پڑی تو حکیم صاحب اور انصاری مختلف دھڑوں میں تھے، لیکن یہ

---

۲۳) ایضاً حاشیہ ۲۲۔ ص ۷۔

۲۴) مولوی عبد الحق، مرحوم دہلی کالج، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۲۰۱۷، ص ۲۱، ۲۲۔

۲۵) ایضاً حاشیہ ۲۲، ص ۱۹۸۔

۲۶) ایضاً حاشیہ ۲۲، ص ۱۹۶۔

۔’دہلی اور نواح دہلی کے مسلمانوں اور ہندوؤں، دونوں کو جو عظیم برکتیں پایہ تخت کی اِس تبدیلی سے پہنچنے والی ہیں وہ اس خطہ کی رعایا کے ایک کثیر گروہ کو بے حد مشکور کرنے والی ہیں‘۔ ایضاً حاشیہ ۱۹، وقارِ حیات، ص ۶۸۹۔ ۶۹۰۔

۲۷) C.F.ANDREWS,EMINENTINDIANS,NATESAN&C0,MADRAS,1922,P.9,10.

۲۸) چاندنی چوک میں جس باغ کو ملکہ کا باغ کا نام دیا گیا تھا وہ دراصل بیگم کا باغ تھا جو جہاں آرا بنت شاہ جہاں کے نام پر تھا۔ ملا واحدی، میرے زمانے کی دلّی، انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی، ۲۰۰۰، ص ۱۳۹۔

۲۹) بم پھینکنے والوں نے پنجاب نیشنل بنک چاندنی چوک میں پناہ لی تھی (نرائنی گپتا حاشیہ ۲۲، ص ۱۹۶)۔ ملا واحدی اور حسن نظامی اس موقعہ پر وہاں موجود تھے۔ اصل مجرم راش بہاری گھوش بنگالی انتہا پسند تھا، جو فرانسیسی مقبوضہ پانڈیچری بھاگ گیا، پھانسی امیر چند دلّی والے کو ہوئی۔ عبد اللہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جو اس جرم کی تحقیق کر رہے تھے انہوں نے اپنے رٹائرمنٹ کے بعد ملا واحدی کو بتایا تھا کہ امیر چند بے قصور مارا گیا، کیونکہ اُس کے بھتیجے نے گھبرا کر اُس کے خلاف جھوٹی گواہی دے دی تھی ۔ ملا واحدی، دلّی جو ایک شہر تھا، اوکسفورڈ، کراچی، ۲۰۰۳، ص ۱۷۵۔

۳۰) ڈاکٹر انصاری کا تعلق غازی پور نزد الہ آباد سے تھا، یہ حکیم نابینا کے چھوٹے بھائی تھے۔ حکیم نابینا کی وجہ سے ہے ان کو نظام حیدر آباد نے برطانیہ میں تعلیم کے لیے وظیفہ دیا تھا۔

MUSHIR-UL-HASAN ,M.A.ANSARI, MANOHAR, NEWDELHI,2010,P.25.

اختلاف اصولی تھے ذاتی نہیں، دوستی آخر دم تک قائم رہی۔ حکیم صاحب کے انتقال کے بعد ڈاکٹر انصاری کو سیاسی ساتھی تو بہت ملے لیکن دوست و ہم نوا کوئی نہیں نصیب ہوا۔

ندوۃ العلماء لکھنو مسلمانوں کی دینی تعلیم کو موجودہ زمانے کی ضرورتوں اور خیالات کا لحاظ کرتے ہوئے تبدیلیوں کے لیے ۱۸۹۳ء سے کام کر رہی تھی۔ علامہ شبلی نعمانی شروع سے اس کے ساتھ منسلک تھے (۳۱)، لیکن ندوۃ کے کچھ رکن ان کے خلاف تھے اور ان کی اصلاحات کو پسند نہیں کرتے تھے (۳۲)۔ یہ اختلافات اتنے بڑھے کہ ۱۹۱۳ء حکیم صاحب، جن کے ندوۃ سے ۱۹۱۰ء سے تعلقات تھے ایک مجلس بلانی پڑی، جس کو بھی ایک گروہ نے پسند نہیں کیا جس پر حکیم صاحب نے ایک مضمون الہلال میں لکھا۔ 'ندوۃ اپنے اساس سے روز بروز دور ہوتا جاتا ہے اور اس بات کے خوف کرنیکے وجوہ پائے جاتے ہیں کہ وہ ایک معمولی مدرسے کی صورت نہ اختیار کرلے۔ اگر اس خیال سے چند اہل الرائے ایک جگہ جمع ہوں اور ندوۃ کی بہتری کے ذرائع پر غور کریں تو میرے خیال میں ایسے جلسے کو بے ضرورت یا مضر بتانے سے بہتر ہوگا کہ اس میں شرکت کی جائے اور صرف انصاف واعتدال کے ساتھ مخالف اور موافق بیانات کو سن کر اُن پر صحیح رائے قائم کی جائے' (۳۳)۔

طبیہ کالج کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد مارچ ۱۹۱۶ء میں رکھنے کے لیے ویسرائے چارلس ہارڈنگ کا انتخاب ہوا، حکیم صاحب کے سب سوانح نگار اس کا ذکر کرتے ہیں کہ ویسرائے پہلے اس کے لیے تیار نہیں تھا (۳۴)، تیاری کی مختلف توجیحات پیش کی جاتی ہیں۔ لیکن میری نظر میں سب سے اہم حقیقت یہ تھی کہ ہارڈنگ کو علم تھا کہ بیس کروڑ انسانوں کے اس ملک کو وہ طبی سہولیات فراہم نہیں کرسکتا، دیسی طبوں اور درسگاہوں کو ساتھ لے کر چلنا پڑے گا۔ طبیہ کالج کی عمارت کا نقشہ مشرقی اسلامی طرز تعمیر کا تھا۔ لیکن قریب ہی نئی دلّی کی تعمیر ہو رہی تھی سرکاری حلقوں میں یہ کہا گیا کہ اگر یہ عمارت نئی دہلی سے اور زیادہ قریب ہوتی تو اِس کا نقشہ پاس نہیں کیا جاتا۔ عمارت کا افتتاح ۱۹۲۱ء میں گاندھی جی کے ہاتھوں ہوا، جس کے ساتھ ہی ویسرائے اور ان کی بیگم کے بڑی بڑی تصاویر کو بھی بے نقاب کیا گیا اور کیونکہ دلّی میں ایک پہلے ہی لیڈی ہارڈنگ میڈیکل کالج موجود تھا اس لیے طبیہ کالج کے زنانہ حصے کا نام لیڈی ہارڈنگ کے نام پر رکھا گیا (۳۵)۔

---

۳۱) ایس ایم اکرام، یادگار شبلی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۲، ص ۲۸۲۔

۳۲) شبلی نعمانی، مقالات، جلد ہشتم، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ص ۳۷۔

۳۳) الہلال، ۲۶ اپریل ۱۹۱۳، ص ۳۴۵۔

۳۴) ظل الرحمٰن، حکیم اجمل خاں، نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، نئی دہلی، ۲۰۰۴، ص ۲۴۔

ہندو مسلم اتحاد کی کوششیں ۱۹۱۴ء سے جاری تھیں، جب آغاخاں نے دلّی میں یہ تجویز پیش کی کہ اگلے سال مسلم لیگ کا اجلاس بمبئی میں ہو جہاں کانگریس کا اجلاس ہونا تھا(۳۶)، بمبئی کے اس اجلاس میں ایک سب کمیٹی بنائی گئی جو دوسری جماعتوں سے بات چیت کرکے ایک مشترکہ لائحہ عمل طے کرے، اس کے اراکین میں دلّی سے تین نمائندے حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری اور محمد علی شامل تھے(۳۷)۔ یوپی کانگریس کے ممبران اس اتحاد کے مخالف تھے۔ لیکن موتی لال نہرو نے سمجھایا کہ مقامی اغراض کے مقابلے میں قومی اتحاد کو ترجیح دی جائے، اس طرح مسلم لیگ کا درینہ مطالبہ جداگانہ انتخاب، اس یثاق لکھنو میں تسلیم کیا گیا، لیکن اس کے ساتھ بنگال اور پنجاب کی اکثریت کو گھٹا کر مسلم اقلیتی علاقوں کو آبادی سے زیادہ سیٹوں کا حق دیا گیا۔ حکیم اجمل خان اس اکثریت کے گھٹانے کے مخالف تھے، اُن کا کہنا تھا، کہ اقلیت کم ہو یا زیادہ اقلیت ہی رہے گی، پنجاب وبنگال کی اکثریت کو گھٹا کر اقلیت میں تبدیل کرنا نہ مقتضائے انصاف ہے نہ مفید(۳۸)۔

اول جنگ عظیم کے آخری حصے میں مسلمانوں کے خدشات خلافت کے متعلق شروع ہوئے۔ دلّی کے مسلم لیگ کے اجتماع ۱۹۱۸ء میں ڈاکٹر انصاری نے اور کانگریس کے اجتماع میں حکیم اجمل خاں نے اپنی تقاریر میں خلافت کی حمایت میں آوازیں اٹھائیں۔ اِس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ اِن دونوں نے ہی خلافت تحریک کی شروعات کیں(۳۹)۔ رولٹ ایکٹ ۱۹۱۹ء میں نافذ ہوا جس میں حکومت کے خلاف تحریک چلانے والوں کے لیے بہت سخت سزائیں نافذ کی گئیں تھیں، جس پر گاندھی جی نے ستیہ گرہ کی دھمکی دی، اِس طرح مسلم لیگ، کانگریس اور خلافت کمیٹیوں نے مل کر تحریک خلافت اور عدم تعاون شروع کیا۔ خلافت تحریک نے پورے ملک کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا(۴۰)۔ سی ایف اینڈریوز نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ ان کی حکیم صاحب سے دوستی آہستہ آہستہ اٹھارہ سال میں بڑھتی رہی، اسی دوران انہوں نے مجھے لکھا' میرے سیاسی خیالات میں انقلاب اُن غیر منصفانہ اور غیر اخلاقی اقدامات کے بعد آئے جو سکہ شاہی نے

---

۳۵)METCALF, B.D., HAKIM AJMAL KHAN (EDFRYKENBERG,R.E.) DELHI THROUGH THE AGES, OXFORD, DELHI,1993,P196,202.

۳۶)FRANCES ROBINSON, SEPERATISM AMONG INDIAN MUSLIMS, CAMBRIDGE,1974,P243.

۳۷)ایضاً حاشیہ ۳۴، ص ۸۳۔

۳۸)ایضاً حاشیہ ۴، ص ۱۱۵۔

۳۹)ایضاً حاشیہ ۳۶، ص ۲۹۲۔

۴۰)ایضاً، حاشیہ ۱۵، ص ۱۵۰۔

۴۱)لقاء الرحمٰن، خطبات اجمل، عالمی اردو مرکز، دہلی، ۲۰۱۴، ص ۱۱۔

۴۲)ایضاً، ص ۷۵۔

۴۳)ایضاً، ص ۱۲۵۔

۱۹۱۹ء کے آخر میں پنجاب مارشل لاء کے دوران کیے'، اینڈریوز کے مطابق اُن کے یہ الفاظ حرف بہ حرف صحیح ہیں۔ اس کے بعد جب ۱۹۲۰ء میں معاہدہ سیور (جس میں ترکی کے حصے بخرے ہوئے) ہند کی حکومت کی مرضی سے ہوا تو حکیم صاحب نے گاندھی جی کے ساتھ مکمل تعاون شروع کیا (۲۷)۔

۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۴ء تک کے سال حکیم صاحب کے سیاسی عروج کا زمانہ تھا۔ اس دوران آپ نے مسلم لیگ، جمیعۃ علمائے ہند، آل انڈیا ویدک اور یونانی طبی کانفرنس، جامعہ ملیہ اور کانگریس میں صدارتی خطبات پیش کیے۔ ان خطبات سے آپ کے نظریات واضح ہوتے ہیں اِس لیے اُن کا مختصر جائزہ ضروری ہے۔

مسلم لیگ کے جلسہ ۱۹۱۹ء امرتسر کا صدارتی خطبہ تفصیلی ہے۔ آپ نے رولٹ ایکٹ کے بعد جو مظالم جلیاں والا باغ، دہلی، پنجاب کے علاقوں، لاہور، قصور اور گجرانوالہ کے مظالم اور تشدد کی نشاندھی اور مذمت کی، ہندو مسلم اتحاد کے لیے زور ڈالا، مسلمانوں سے درخواست کی کہ وہ گاؤ کشی کی جگہ دوسرے جانور قربان کریں، اس سلسلے میں دو حدیثیں پیش کیں اور یہ بتایا کہ بھیڑ یا اونٹ کی قربانی افضل ہے۔ سلطنت عثمانیہ اور مقامات مقدسہ کی حفاظت اور خلیفہ اسلام کی بقا کی طرف انتہائی موثر انداز میں اپیل کی۔ انگریز حکومت کی ترکی سے متعلق وعدوں کی خلاف ورزیوں کو اجاگر کیا، ایران سے ناانصاف معاہدے پر احتجاج کیا، ان انگریز مستشرقوں کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے مسلمانوں کی حمایت میں بیانات دیئے۔ ہندوؤں اور گاندھی جی کا خلافت سے متعلق ہڑتالوں پر ساتھ دینے کا شکریہ ادا کیا۔ نظر بندان اسلام، محمود الحسن، محمد علی، شوکت علی اور ابوالکلام آزاد کو جیل سے رہا کرنے کی اپیل کی (۴۱)۔

جمیعۃ علماء ہند کے دوسرے سالانہ اجلاس، دہلی، ۱۹ نومبر ۱۹۲۰ کے صدارتی خطبے کے زمانے میں ترک موالات کا زور تھا، کانگریس، مسلم لیگ اور خلافت کمیٹیوں نے ترک موالات کی تجاویز پاس کر دی تھیں لیکن علماء اُن سے دور تھے اور اُس پر اعتراض کرتے تھے کہ اس میں ہندو شامل ہیں، جس کے جواب میں آپ نے علماء کو یاد دلایا کہ حضور ﷺ نے جنگ احد میں قزمان جو ایک مشرک تھے اور رسول مقبول ﷺ کی طرف سے لڑے تھے، پر اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ علماء کو ترغیب دینے کے لیے اور ان کے ترک موالات میں شامل ہونے کے لیے قران کا سورہ ممتحنہ ۲۸ آیت ۱، اے ایمان والوں میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ اور سورہ مائدہ ۶، آیت ۵۲، جن لوگوں کے دلوں میں بے ایمانی کی بیماری ہے انہیں دیکھوگے کہ دوڑ دوڑ کر (یہود و نصاریٰ) کے پاس جاتے ہیں، کہتے ہیں ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ کہیں ہم مصیبت میں نہ آجائیں (کیونکہ وہ قومیں دولت مند تھیں اور مسلمانوں کو قرض دیتی تھیں)، کو پیش کر کے ان سے ترک موالات میں شامل ہونے کی درخواست کی۔ ساتھ ہی آپ نے علی گڑھ کالج، خالصہ کالج اور بنارس یونیورسٹی کے طلبہ کو مبارک بادیں دیں کہ جنھوں نے پہلے ہی ترک موالات میں شرکت کر لی تھی (۴۲)۔

آل انڈیا ویدک اور یونانی کانفرنس، کراچی، ۲۱ فروری ۱۹۲۱ کے صدارتی خطبے میں حکیم صاحب نے ویدک اور طب کی

مختصر تاریخ بیان کی اور مختلف اصطلاحات کے ناموں کی مثالیں دے کر سمجھایا کہ طب مشرقی ہو کہ مغربی سب قدیم یونان سے شروع ہوتیں ہیں۔ مغرب کے کشادہ دل اور انصاف پسند ماہرین کے قول دوہرائے جنہوں نے بغیر کسی تنگ دلی کے اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں اور دیسی طبوں کے قابل قدر ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ دیسی طبوں کی حمایت میں آپ نے فرمایا یہ اپنی اور ملکی ہیں، قدیم ہیں، اسّی سے نوے فیصد آبادی اِن سے فائدہ اٹھاتی ہے، اِس میں مفید علاج پائے جاتے ہیں، ان میں بے شمار جڑی بوٹیاں ہیں جو یہاں پیدا ہوتی ہیں اس وجہ سے یہ علاج سستے ہیں، حالات جنگ میں غیر ملکی دواؤں کی قلت ہو سکتی ہے لیکن ملکی دواؤں کی نہیں۔ اس کے ساتھ آپ نے حکومت اور اطباء سے درخواست کی کہ دیسی طبوں کے اسکول اور کالج کھولے جائیں، دیسی دواؤں کو زمانے کی ضرورتوں اور مذاق کے موافق بہتر صورت میں پیش کیا جائے، اطبا اپنے آپ کو منظم کریں، انجمنیں قائم کریں، تبادلہ خیالات کریں، اور جڑی
بوٹیوں پر تحقیق کریں اور عوام کو اُن کے فوائد سے مطلع کریں۔ آپ نے حکومت سے یہ بھی خواہش کی کہ طب یونانی اور ایورویدک ایکٹ پورے ہندوستان کے لیے بنایا جائے۔ قابل ماہرین دیسی طبوں کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ مرکزی حکومت صوبائی حکومتوں سے کہے کہ اپنے میڈیکل رجسٹریشن ایکٹوں میں ترامیم کریں۔ جن دیسی ماہرین نے باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہو ان کو رجسٹر کیا جائے اور دیسی طب کی درسگاہوں کو تسلیم کیا جائے، طبی سرٹیفیکٹوں کو قبول کیا جائے۔ جس طرح یوپی گورنمنٹ نے اپنے ایکٹ میں ترمیم کی ہے باقی
صوبے بھی اپنے ایکٹوں میں ترامیم و اضافے کریں (۴۳)۔

جامعہ ملیہ،(۴۴) اول جلسہ تقسیم اسناد، ۷ دسمبر ۱۹۲۱ کے صدارتی خطبے میں جامعہ ملیہ کے بنیادی مقاصد بتاتے ہوئے فرمایا کہ اس کا مقصد ایسے مسلمان پیدا کرنا ہے جو اپنے مذہب سے نہ صرف واقف ہوں بلکہ اُس پر سختی سے عمل پیرا بھی ہوں، وہ جدید علوم سے ضرور واقف ہوں لیکن اسلامی زندگی کا نمونہ ہوں اور ایک خوددار مسلمان کی طرح زندگی بسر کریں۔ اس لیے تاریخ اسلامی کو تعلیم کا ایک جز قرار دے دیا گیا ہے، غیر ملکی زبان کے ذریعے تعلیم دینے کے غیر فطری طریقے کا بھی یک قلم سدباب کر دیا گیا ہے۔ ہندو طلبا کے لیے اسلامی اور اسلامی طلبہ کے لیے ہندو تہذیب کی معلومات حاصل کرنا بھی شامل کورس قرار دیا گیا ہے۔ کسب معاش ضروری ہے آدمی مسلمان

---

۴۴) حکیم اجمل خاں، علی برادران اور نواب وقار الملک علی گڑھ کالج کو ایک ایسی جامعہ بنانا چاہتے تھے جیسے اسلامی دور میں جامعہ قرطبہ ہوا کرتی تھی یہ تجویز انگریز حکومت کی پیشکش کے خلاف تھی وہاں سے جو تجاویز آئی تھیں اُس میں شرطیں تھیں کی یونیورسٹی کا نام صرف علی گڑھ یونیورسٹی ہو (اسلامی نہیں)، اِس کو دوسرے کالجوں کو الحاق کرنے کی اجازت نہ ہو اور ویسرائے اس کے چانسلر ہوں۔ اُس وقت جو اصحاب کالج میں اقتدار پر تھے وہ چاہتے تھے کہ جو پیشکش آئی ہے وہ قبول کر لینی چاہیے۔ عدم تعاون کے زمانے میں صاحب اقتدار اصحاب سے درخواست کی گئی کہ حکومتی امداد لینی بند کر دی جائے، لیکن اُس کا کچھ اثر نہیں ہوا، اس کے بعد طلباء سے درخواست کی گئی، جس پر تقریباً تین سو طلباء نے علی گڑھ کالج چھوڑ دیا۔ اُن کی تعلیم کے لیے جامعہ ملیہ کی بنیاد پڑھی۔ اِس کا افتتاح شیخ محمود الحسن نے ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ کو کیا۔ حکیم صاحب اُس کے پہلے امیر جامعہ بنائے گئے، (ایضاً حاشیہ ۱۵، ص ۱۵۲۔۱۵۶)، جامعہ کے حالات علی گڑھ میں مالی مشکلات کی وجہ سے اس قدر پریشان کُن ہو گئے کہ حکیم صاحب اور دوسرے ارکان اس کو دلّی لے آئے کہ قربت کی وجہ سے اس کا انتظام کرنا آسان ہو گا (ظفر احمد نظامی، حاشیہ ۱۵، ص ۱۶۷)۔

رہ کر ملت اسلامی کے ایک حساس اور فرض شناس رکن کی حیثیت سے بھی کسب معاش کر سکتا ہے۔ اساتذہ کو طلباء کے سامنے اپنی زندگی کا عملی نمونہ پیش کرنا ہو گا، طلباء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تم کو پامردگی اور بلند حوصلگی سے کام لینا ہو گا۔ میں اُن تکالیف سے واقف ہوں جو تمہیں اٹھانی پڑی ہیں، اگر تم اپنے اعلیٰ مقصد اور ارادوں پر قائم رہے تو تمام مشکلیں سہل ہو جائیں گی (۴۵)۔

کانگریس کے سالانہ جلسہ، احمد آباد، ۱۹۲۱، میں صدارتی خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ سی آر داس کی گفتاری کی قربانی سے ہم اپنے نصب العین کے قریب آ گئے ہیں، عدم تعاون کی روح تمام ملک پر طاری ہے، سوراج حاصل کرنے اور حکومتی دست درازیوں پر ہنسی خوشی مصائب جھیلنے کے جذبے سے لبریز ہیں۔ حکومت کے بے پناہ جبر کے باوجود کہیں بھی جواب میں تشدد نہیں کیا گیا۔ لوگوں میں اپنی قومی جدوجہد کو جاری رکھنے اور مطالبات پر ڈٹے رہنے کا عزم اور بھی پختہ ہو گیا ہے۔ اس زمانے میں پرنس اوف ویلز کے ہندوستان کے دورے کا اعلان ہو چکا تھا، اُس پر فرمایا کہ ہمیں اُن سے کوئی ذاتی عداوت نہیں، ہم یہ نہیں چاہتے کہ ایک دیوالیہ حکومت کو اپنا کھویا ہوا وقار پھر حاصل کرنے کا موقعہ مل جائے، اس لیے ہم اُن کا خیر مقدم کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ موپلے بھائیوں سے ہمدردی کا اظہار کیا اور ہندو بھائیوں پر جو ظلم ہوئے ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ اکّا دکّا واقعات بے راہ رو افراد کے اقدامات ہیں جن کی ہم مذمت کرتے ہیں (۴۶)۔

ہندو مہاسبھا: نومبر ۱۹۲۱ میں حکیم صاحب ہندو مہاسبھا کے جلسہ دہلی کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر چنے گئے۔ یہ اُن کی ہندو مہاسبھا کی طرف سے ہندو مسلم اتحاد کی خدمات کا اعتراف تھا۔ اُس زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کی کوششیں جاری تھیں۔ جلسے میں آپ نے اپنی تقریر میں اس امر پر زور دیا کہ مسلمان بادشاہوں نے اپنے زمانے میں گائے کی قربانی کے متعلق رواداری اور وسیع الخیالی برتی تھی، اِس کے مقابلے میں آج گائے کا گوشت زیادہ استعمال ہوتا ہے کیونکہ انگریزی افواج اِن کو استعمال کرتی ہیں (۴۷)۔

اِس کے کچھ ہی عرصہ بعد ملتان میں ہندو مسلم فسادات ہوئے، جن سے حکیم صاحب بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ حکیم صاحب اور پنڈت مدن موہن مالویہ ستمبر ۱۹۲۲ء میں ملتان گئے اور اپنی طرف سے بہت کوششیں کیں، لیکن پنجاب کے مخدوموں نے، جو سرکار انگریز کے زیر اثر تھے، کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے کامیابی نہیں ہو سکی (۴۸)۔

حکیم صاحب کی صحافتی زندگی ان کی سیاسی زندگی کے شروع سالوں میں رہی، اکمل الاخبار ۱۸۶۶ء میں جاری ہوا تھا۔ یہ ہفتہ وار

---

۴۵) ایضاً حاشیہ ۴۱، ص ۱۲۵۔

۴۶) خطبات آزادی، قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی، ۲۰۰۵، ص ۷۔

۴۷) نامعلوم، سیرت اجمل، ہندوستانی دواخانہ، دلّی، سال اشاعت ندارد، ص ۱۶۲۔

۴۸) ایضاً، حاشیہ ۴۷، ص ۱۷۶۔

اخبار تھا۔ اس کے مالکوں میں حکیم غلام رضا خاں (حکیم اجمل خاں کے چچازاد بھائی) شامل تھے، حکیم اجمل خاں کے مضامین بھی اس میں شامل ہوتے تھے، جن کی کچھ مثالیں آپ اگلے صفحات میں دیکھیں گے۔ اس کے لیے اکمل المطابع ایک چھاپے خانہ بھی شروع کیا گیا تھا، اسی چھاپے خانہ میں غالب کے خطوط کا مجموعہ 'اردوے معلّیٰ' شایع ہوئے تھے جس کے آخری صفحے پر غالب نے اس کے حقوق اشاعت حکیم غلام رضا خاں کو سونپ دیے تھے (۴۹)۔ 'مجلہ طبیہ' ایک طبی رسالہ تھا جو حکیم واصل خان کی سرپرستی اور حکیم اجمل خاں کی نگرانی میں ۱۹۰۳ء سے جاری ہوا، اس میں مدرسہ طبیہ کی خبریں، عام دلچسپی کے مضامین، گوشہ الادویہ، امراض سے بحث اور متفرق مضامین ہوتے تھے۔ اس کی آخری اشاعت اکتوبر ۱۹۱۸ء تک معلوم ہے (۵۰)۔ ایک اور طبی رسالہ 'طبیب' حکیم اجمل خاں نے ملا واحدی کی ادارت میں نکالا تھا، یہ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۳ء تک نکلا، ملا واحدی نے لکھا ہے کہ حکیم صاحب سے میر اروز کا واسطہ تھا یہ مجلہ آل انڈیا یونانی اینڈ ویدک طبّی کانفرنس کا ترجمان تھا۔ میں نے حکیم صاحب سے زندگی کا برتنا سیکھا، حکیم صاحب نے میری بے اردہ تربیت فرمائی (۵۱)۔

تحقیق: حکیم صاحب کو طب میں تحقیق، طبی کتب کی اصلاح، طبی کتب کا اردو میں ہونے کی انتہائی اشتہاء تھی، ان کی نظر میں طب کی جو مروجّہ کتابیں تھیں، وہ بہت سے مسائل سے، جو جدید تحقیقات سے سامنے آچکے ہیں، عاری تھیں، اس لیے ضرورت ہے کہ اُن کا ناقدانہ جائزہ لیا جائے، جو فرسودہ باتیں ہیں اُن کو خارج کیا جائے اور جدید تحقیق کو شامل کر کے ایک نیا نصاب ترتیب دیا جائے اور ایک کتاب جس کا نام انہوں نے 'قانون عصری' تجویز کیا تھا اس پر انہوں نے اور دوسرے طبیبوں نے کام کیا اور اس کا پہلا حصہ شائع بھی ہوا لیکن ان کے انتقال کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا (۵۲)۔

حکیم صاحب نے اپنے آخری دورہ یورپ ۱۹۲۵ء میں جرمنی میں ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی کو جڑی بوٹیوں کی جدید تحقیق کے لیے چنا تھا۔ انیس سو بیس کی دہائی جرمنی میں سخت معاشی مشکلات کا زمانہ تھا، ان کی تعلیم کو مکمل کرنے کے لیے حکیم صاحب چار سو روپے ماہوار بھیجا کرتے تھے۔ ڈاکٹر صدیقی حکیم صاحب کے آخری سالوں میں ہندوستان واپس آئے اور طبیہ کالج میں تحقیق کا شعبہ شروع کیا۔ حکیم صاحب کی تجویز پر آپ نے 'پگلے کی بوٹی' (راؤولفیا سرپن ٹائی نا) نامی پودے کی جڑ پر اپنی تحقیقات شروع کیں اور اس میں سے نو الکلائڈ دریافت کیے، جس میں مشہور و معروف انہوں نے حکیم اجمل خاں کے نام پر رکھے ، اجملین ، اجملا سین ، آئی سو اجملین ، نیو اجملین ۔ یہ دوائیں بلڈ پریشیر، دل کے

---

۴۹) سید مرتضیٰ حسین فاضل، اردوے معلّیٰ، حصہ اول، جلد ۲، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۹، ص ۸۴۸۔
۵۰) اسد فیصل فاروقی، ہندوستان میں اردو طبی صحافت، قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی، ۲۰۱۱، ص ۳۷۔
۵۱) ملا واحدی، دلّی جو ایک شہر تھا، اوکسفورڈ، کراچی ۲۰۰۳، ص ۵۶۔
۵۲) ایضاً حاشیہ ۵، ص ۸۶۔

امراض، اختلاج قلب اور دماغی امراض کے لیے مفید ہیں اور آج بھی ان کا استعمال ہوتا ہے(۵۴،۵۳)۔

انتقال: حکیم صاحب کا انتقال رام پور میں ہوا انااللہ واناعلیہ راجعون، یہ ان کے پرانے مرض انجائینا کی وجہ سے ہوا، جس کا پہلا دورہ

۱۹۰۴ء میں ہوا تھا، یہ ۲۹ دسمبر ۱۹۲۷ء کی تاریخ تھی، آپ کی نماز جنازہ رامپور اور جامع مسجد دلّی میں ہوئی، دلّی جامع مسجد میں ایک جم غفیر جمع تھا، آپ کی تدفین خاندانی قبرستان پنچکوئیاں روڈ دلّی میں ہوئی۔ کانگریس کے اجلاس مدراس کے وقت یہ خبر پہنچی وہاں پہنچی، پورا ماحول سوگوار ہو گیا۔ دوسرے روز کے اخبار دی ٹائمز لندن میں انتقال کی خبر اور آپ کی زندگی کے حالات شائع ہوئے(۵۵)۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی سوانح میں لکھا، 'وہ کانگریس کے بزرگ راہ نما اور صدر ہونے کے علاوہ بھی ایک بے نظیر شخصیت تھے۔۔۔ وہ دلی کی قدیم معاشرت کا نمونہ تھے، ان کے انداز واطوار شاہانہ اور گفتگو بہ سہولت تھی۔ اُن کی شکل بھی ایک مغل نقش ونگار سے ملتی ہوئی تھی۔ وہ طبیبوں کے ایک مشہور گھرانے کا چشم وچراغ تھے جن کی حکمت کو قبول عام حاصل تھا۔۔۔ جنگ عظیم، پنجاب مارشل لا اور خلافت کے دوران وہ عدم تعاون کے شریک تھے، ہندو اور مسلمانوں کو بہت قریب لے آئے تھے، گاندھی جی کے قابل اعتماد دوست جن پر گاندھی جی ہندو مسلم تعلقات اور مشوروں پر مکمل یقین رکھتے تھے۔ میرے والد اور حکیم جی ایک دوسرے کے بہت قریب تھے' (۵۶)۔

حسب نسب: حکیم صاحب کے سب سوانح نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کا سلسلہ نسب خواجہ عبید اللہ احرار سے ملتا ہے۔ خواجہ نقشبندی سلسلے کہ ایک مشہور ومعروف صوفی ہیں، جن کا تعلق ظہیر الدین بابر کے دادا ابو سعید مرزا سے تھا جن کے کہنے پر ہی خواجہ تاشقند چھوڑ کر سمرقند میں آبسے تھے، بابر کے چچا سلطان احمد مرزا بھی آپ کے معتقد تھے اور بابر کے والد عمر شیخ مرزا کو خواجہ نے اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا، بابر کا نام ظہیر الدین بھی خواجہ ہی نے رکھا تھا(۵۷)۔ آپ کا انتقال ۱۴۹۰ء میں ہوا۔ آپ کے دو صاحب زادے تھے حکیم صاحب کا سلسلہ بڑے بیٹے خواجہ عبد اللہ (خواجکا خواجہ) سے تھا جو شیبانی خاں سے بچ کر اندجان میں بس گئے تھے اور وہیں آپ کی قبر ہے، انتقال ۱۵۰۰ء میں ہوا۔ خواجہ عبد اللہ نے تین شادیاں کیں جن سے آپ کے سات بیٹے تھے(۵۸)، سب سے چھوٹے بیٹے خواجہ

---

53)YUSUF SUHAIL, DAILY DAWN,18-10-2013

54)ANDREW CHEVALLIER, ENCYCLOPAEDIA OF PLANTS، DORLING KINDERSLEY, LONDON1996,p259

55)THE TIMES, 30 DECEMBER1927

56)JAWAHAR LAL NEHRU, AN AUTOBIOGRAPHY, OXFORD, NEW DELHI,1980,P.168.

۵۷)یونس جعفری، حسن بیگ، وقائع بابر، شہر بانو پبلشرز، کریکاڈی، ۲۰۰۷، ص ا۔

۵۸) ایضاً، حاشیہ ۵۵، ص ۳۵۳۔

یوسف جن کی ماں ترک تھیں، جن سے حکیم صاحب کا نسب ہے۔ خواجہ یوسف کے متعلق سوانح نگاروں نے زیادہ نہیں لکھا، اِس پر تاریخی نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ مرزا حیدر دوغلت ظہیر الدین بابر کے خالہ زاد بھائی اور 'تاریخ رشیدی' کے مصنف ہیں، انہوں نے اِس کتاب میں خواجہ یوسف کے حالات تحریر کیے ہیں۔ خواجہ یوسف کاشغر میں آباد ہو گئے تھے۔ کاشغر مشرقی ترکستان میں تاشقند سے آٹھ سو میل جانب مشرق واقع ہے، وہاں کے حکمراں سلطان سعید نے ان سے عقیدت کا اظہار کیا اور مرزا حیدر نے ان کا بار بار ذکر کیا ہے (۵۹)، خواجہ یوسف ایک مختصر بیماری کے بعد کاشغر میں ہی انتقال فرما گئے تھے، مرزا حیدر نے ان کی تاریخ وفات (۱۴ صفر ۹۳۷ھ/۷ اکتوبر ۱۵۳۰ء) 'طایر بہشتی' سے نکالی (۶۰)، یعنی ان کا انتقال ظہیر الدین بابر کے انتقال (۶ جمادی الاول ۹۳۷ھ/ ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء) سے دو مہینے اور انیس دن پہلے ہوا، اِس طرح یہ کہنا کہ حکیم صاحب کے اجداد بابر کے ساتھ آئے تھے ثابت نہیں

ہوتا (۶۱)۔ یقیناً خواجہ یوسف کی اولاد میں سے کوئی بابر کے بعد ہندوستان میں مستقل آباد ہوا ہو گا۔ خواجہ یوسف اپنے آخری وقت میں

اپنے گھرانے کو مرزا حیدر کی سپردگی میں دے گئے تھے، چنانچہ مرزا حیدر لکھتے ہیں کہ انہوں نے مجھے بلایا، 'ایک جامہ جس کا استر نیلا تھا، ایک مفلر دیا اور اپنے متعلقات کو میرے سپرد کیا' (۶۲)۔ مرزا حیدر نے اس کے بعد کشمیر فتح کیا تھا اور پھر ہمایوں کے زمانے میں ہندوستان وارد ہوئے، اِس لیے یہ عین ممکن ہے کہ خواجہ محمد یوسف کی اولاد ان کے ساتھ ہندوستان آئی ہو۔ خواجہ یوسف کے بعد کی کئی پیڑیوں کے حالات ابھی تک تاریخی طور پر دریافت نہیں ہوئے۔ خواجہ یوسف کے چھے نسلوں بعد ملا علی قاری اور ملا علی داؤد کا سوانح نگاروں نے ذکر کیا ہے، لیکن حکیم محمود خاں نے اپنی ہاتھ کی لکھی ہوئے بیاض 'قوانین حکمت شریفی' میں لکھا ہے کہ 'اجداد کے حالات حکیم شریف خاں کے انتقال کے بعد خاندانی سلسلے کی معلومات کے تعلق سے ایک کتاب لکھی گئی تھی، جو حکیم محمد اشرف خاں (ابن حکیم شریف خاں) کے حصے میں آئی، وہ ان سے ضائع ہو گئی۔۔۔ برادر عزیز حکیم غلام مرتضٰی خاں نے خاندانی حالات پر 'دستخطی خویش' کے نام سے ایک کتاب تحریر کی ہے۔' (۶۳) جس میں پہلی دفعہ ملا علی قاری و ملا علی داؤد کا نام آیا ہے۔

خواجہ یوسف کے بیٹے خواجہ محمد فیروز سے حکیم محمود خاں (پیدائش ۱۸۲۰ء) تک ۱۵ نسلیں ہوتی ہیں، اس کے مقابلے میں احسن خانی (جو نسلی طور پر احراری ہیں) شجرے میں خواجہ محمد فیروز سے حکیم بدر الدین (پیدائش ۱۸۴۰ء) (۶۴) تک گیارہ نسلیں ہیں، اس طرح

---

59)MIRZA HADER DAUGHLAT, W.M. THACKSTON, TARIKH RASHIDI, HARVARD,1996,P.230

60)MIRZA HAYDER DAUGHLAT, N.ELIS, E.D.ROSS, TARIKH RASHIDI, BOOK TRADERS, LAHORE(YEAROF PUBLICATION?),P390.

۶۱) کوثر چاندپوری، حکیم اجمل خان، نسیم بک ڈپو، لکھنو، ۱۹۷۳، ص ۳۹۔

62)MIRZA HAYDER DAUGHLAT,W.M. THACKSTON, TARIKH RASHIDI(FARSI), HARVARD,1996.P.322.

شریف خانی شجرے میں دو یا تین نسلوں کا اضافہ بھائیوں کے نام ساتھ آجانے کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ ملا علی قاری خواجہ فیروز کی ساتویں نسل میں دکھائے گئے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کا زمانہ ۱۷۴۰ء ہوتا ہے (ایک صدی میں تین یا چار نسلیں ہو سکتی ہیں)، لیکن تاریخی ماخذ میں ان کا انتقال ۱۶۰۵ء میں ہو چکا تھا، ملا علی قاری کبھی بھی ہندوستان نہیں آئے (۶۵)۔ اس کے بعد حکیم اکمل خاں اور حکیم شریف خاں کے حالات تفصیلی ملتے ہیں۔ حکیم شریف خاں عالم، مصنف، مولف اور صاحب کُتب تھے جس کی وجہ سے خاندان اُن کے نام سے مشہور ہوا۔

مسیح الملک (۶۶) کے محافل شب: حکیم صاحب کی دیوان خانے میں شامیں دوستوں اور ملنے والوں کے لیے مخصوص تھیں، جس میں شعر و شاعری، ساز و آواز، ادبی اور تفریحی مشاغل ہوا کرتے تھے۔ اس کا ایک منظر مندرج ہے:

'سفید براق مکلّف فرش ہے، قالینوں کے ساتھ سہارے کے لیے تکیے لگے ہیں۔ دیواروں پر جابجا مشہور خطاطوں کی وصلیاں اور کتبے آویزاں ہیں۔ دروازوں پر پٹاپٹی کے پردے لٹک رہے ہیں، حکیم صاحب اپنے مخصوص احباب کے درمیاں تشریف فرما ہیں۔ اُن کے سامنے ایک مناسب مقام پر میر صاحب (باقر علی داستان گو) محفل میں بیٹھ کر داستان سرائی کر رہے ہیں۔ دو تین بیدری کام کے فرشی حقے اور لمبی پیچدار اسٹک والی کلی کا دور جاری ہے۔ پان کے بیڑوں سے پُر چاندی کا خاصدان، اُس کے قریب ہی اگالدان حکیم صاحب کے پاس موجود ہے'۔ حکیم صاحب اہل فن

کے خاموش قدر دان اور سرپرست تھے، اُن کی داد دہش کا انداز بھی حکیمانہ تھا۔ اُن کے الطاف و اکرام کی صورت یہ تھی کہ میر صاحب جب ضرورت مند ہوتے تو دو چار سیر چھالیا کی ایک پوٹلی لے کر حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کرتے 'حکیم صاحب چھالیا لایا ہوں، اگر پہلی چھالیا ختم ہو گئی ہو اور اس وقت ضرورت ہو تو حاضر ہے'، حکیم صاحب فرماتے 'میر صاحب میں تو کئی دن سے آپ کا
منتظر تھا، اچھا ہوا آپ آ گئے چھالیا گھر میں بھجوا دیجیے اور دیکھیے اپنی خالی پوٹلی ابھی لیتے جایئے گا'۔ یہ پوٹلی حکیم صاحب کی ہدایت کے مطابق زنان خانے سے بظاہر خالی آتی لیکن در اصل ایک معقول رقم سے اور وہ بھی نوٹوں کی شکل میں پُر ہوتی (۶۷)۔
ایک اور نظارہ ملاحظہ کریں:
(دلّی کی) 'سردی کا موسم، کڑاکے کا جاڑا، رات کا وقت، بارہ ایک کا عمل، بازاروں میں سناٹا، جامع مسجد پر ہلکے ہلکے (ایک) بگھی آئی

---

۶۳) غلام محمود خاں، قوانین حکمت شریفی، قلمی (مخطوطے کی فوٹو کاپی) ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء)، ص ۴۔
۶۴) بدر الدین، بدر الدجیٰ۔ مطبع مصلح المطابع، دلّی، ۱۹۰۰، ص ۲۱۸۔
۶۵) وکی پیڈیا، ملا علی قاری، ۱۸ نومبر ۲۰۱۷۔
۶۶) حکیم صاحب کو خاندانی خطاب، حاذق الملک، یکم جنوری ۱۹۰۸ کو انگریز حکومت کی طرف سے ملا تھا۔ یہ خطاب آپ نے ترک موالات کے موقعہ پر اپریل ۱۹۲۰ء کو مع تمغہ قیصر ہند اور دو تمغے جو دربار ہندوستان اور انگلستان پر ملے تھے واپس کر دیے۔ اس پر عوام کی خواہش پر آپ کو مسیح الملک کا خطاب دیا گیا۔ یہ خطاب سب سے پہلے خواجہ حسن نظامی نے تجویز کیا تھا، ایضاً حاشیہ ۴۹، ص ۵۶۔

اور جنوبی دروازے پر ٹھہر گئی۔ حکیم اجمل خاں نکلے سیڑھیوں پر جو سکڑے سکڑ اے پڑے تھے گاڑی میں سے لحاف نکالتے اور ہر ایک کو آہستہ سے اڑھا دیتے، جب سب ہی کو اڑھا چکے تو گاڑی ہلکے ہلکے ہرے بھرے صاحبؒ کے مزار کی طرف چلی گئی'،(٦٨)۔

اِس میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں کہ حکیم اجمل خاں نے اپنی زندگی، اپنی سیاست، اپنی حکمت کے ناقابل یقیں سنگ میل چھوڑے ہیں۔ اُن کی داستانیں ہمارے معاشرے اور ہماری زبان میں رچے بسے ہیں۔ اگر اقوام ہند جذباتی سیاست سے بلند ہو کر عقل و فہم کو اپناتے، زمیں و مکاں کی اہمیت کو سمجھتے، دو چار اور معتدل راہ نما حکیم صاحب کے قد کے ہوتے، تو آج تاریخ کچھ اور ہوتی۔

٣ فروری ٢٠١٩ء

---

٦٧) سید یوسف بخاری دہلوی، میر باقر علی داستان گو، (ترتیب عباس عقیل جعفری)، انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی، ٢٠١٤، ص٥٦، ٥٩۔

٦٨) یہ بیان علامہ اخلاق حسین دہلوی کے والد کا ہے، ایضاً حاشیہ ا، ص ٤٢۔